مباحثہ ومکالمہ

حافظ صلاح الدین یوسف*

کیا غامدی فکر و منہج ائمہ سلف کے فکر و منہج کے مطابق ہے؟

غامدی صاحب کے دعوائے مطابقت کا جائزہ-۳

حدیث وسنت کا مفہوم: اہل اسلام اور غامدی صاحب

غامدی صاحب کے اندر اس شوخ چشمانہ جسارت کا حوصلہ کیوں پیدا ہوا؟ اس لیے کہ وہ آپ کے طریقے اور عمل کو 'سنت' سمجھنے کے لیے تیار نہیں؛ چناں چہ ان کے ٹیپ کا بند ملاحظہ فرمائیں:

''لہٰذا سنت صرف یہی ہے کہ ہر نماز کی دوسری اور آخری رکعت میں نماز پڑھنے والا دوزانو ہو کر قعدے کے لیے بیٹھے؛ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اس موقع پر سنت کی حیثیت سے مقرر نہیں کی گئی۔''

ہم نے الحمدللہ مکمل اقتباس دے کر اس کے مختلف ٹکڑوں کی وضاحت کی ہے؛ اس میں کمی بیشی نہیں کی ہے تاکہ ان کا حلقہ ارادت یا وہ خود یہ نہ کہہ سکیں کہ سیاق وسباق کو حذف کر کے ان کے مفہوم یا الفاظ کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم نے ایسا کیا ہے، نہ ہم ایسا کرنا جائز ہی سمجھتے ہیں؛ یہ علمی بددیانتی ہے جو اہل علم کے شایاں نہیں بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ غامدی صاحب یا ان کے 'استاذ امام' کے 'منصوص کلمات' کی شرح وتوضیحمیں بھی کوئی تجاوز ایسا ہوا ہو کہ بات توجیہ القول بمالا یرضیٰ بہ القائل کے درجے تک پہنچ گئی ہو تو ہمیں ان شاء اللہ اس پر بھی معذرت کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ استاذ اور شاگرد ان دونوں حضرات نے اپنی گم راہی کا اظہار اور سلف کی راہ ہدایت سے ہٹ کر زیغ وضلال کی راہ نوردی اتنے واشگاف الفاظ میں اور اتنی بیبا کی اور بلند آہنگی سے کی ہے کہ ان کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے؛ وہ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں اور چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارا نظریہ حدیث وسنت وہ نہیں ہے جو چودہ سو سال سے امت مسلمہ میں مسلمہ چلا آ رہا ہے بلکہ امت کے ائمہ سلف، علما وفقہا اور محدثین کو حدیث وسنت کا نہ مفہوم سمجھ میں آیا ہے اور نہ وہ ان کے مقام ومرتبہ کو پہچان سکے ہیں بلکہ چودہ سو سال کے بعد یہ 'سعادت' تو 'امام اول' فراہی صاحب، کو دوسرے نمبر پر 'امام ثانی' اصلاحی صاحب کو اور 'امام ثالث' غامدی صاحب اور

*رئیس شعبہ تحقیق وتصنیف، دارالسلام، لاہور

ان کے ہم نواؤں کو حاصل ہوئی ہے: ع یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جا ہے۔

اور حدیث کا وہ مقام جو ان کی سمجھ میں آیا ہے یہ ہے کہ یہ باسند سلسلہ روایات غیر معتبر اور ثانوی اہمیت کا حامل ہے اور قرآن فہمی میں بے سند شعرائے عرب کا جاہلی کلام یا پھر تحریف شدہ تورات وانجیل وغیرہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس طرفہ تماشے کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ ہمارے اور ائمہ سلف کے درمیان سرسوفرق نہیں ہے، صرف اصطلاحات کا فرق ہے؛ یہ گویا اپنے سوا سب کو بے وقوف سمجھنے والی بات ہے۔

محترم! اصطلاحات کا فرق ہی تو اختلافات کی اصل بنیاد ہے؛ جب ائمہ سلف کے نزدیک حدیث وسنت کا مفہوم کچھ اور ہے جس کی رو سے ایک تو حدیث وسنت ایک ہی چیز کا نام ہے؛ دوسرے، سارے دین کی بنیاد حدیث ہے اور اس کے بغیر نہ قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ قرآن پر عمل ہی کیا جا سکتا ہے، نیز تمام احادیث صحیحہ حجت شرعیہ اور ماخذ شرعی ہیں۔ احادیث جس طرح قرآن کے اجمالات کی شرح وتوضیح کرتی ہیں، اسی طرح قرآن کے عمومات کی تخصیص بھی کرتی ہیں؛ علاوہ ازیں لغت یا عرب شعرا کے کلام سے حسب ضرورت استفادہ واستشہاد تو کیا جا سکتا ہے لیکن اسے قرآن فہمی میں اصل اہمیت اور اصل بنیاد نہیں بنایا جا سکتا؛ اصل بنیاد تو صحیح احادیث، آثار صحابہ اور سلف کی تعبیر ہے۔ جو تفسیر اس طریقہ ماثور سے ہٹ کر ہوگی، وہ قرآن کی تفسیر نہیں، قرآن کے نام پر اسی طرح گم راہی ہے جیسے سرسید کی تفسیر یا پرویز کی تفسیر گم راہیوں کا مجموعہ ہے اور 'تدبر قرآن' بھی اسی سلسلۃ الضلال کی ایک کڑی ہے اور رجم کا بہ طور حد انکار ام الضلال ہے جس کا انکار 'تدبر قرآن' میں بڑے شد ومد سے کیا گیا ہے۔

جبکہ غامدی صاحب کی اصطلاح میں سنت وحدیث کا مفہوم مذکورہ مفہوم سے یک سر مختلف ہے؛ ان کے نزدیک حدیث اول تو معتبر ذرائع سے ثابت نہیں؛ اگر کوئی ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں؛ اس سے کوئی عقیدہ وعمل ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح سنت ہے؛ اول تو وہ بھی تعداد میں چند ہی ہیں، اس لیے کہ سنت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے جو سات، آٹھ ہزار کی تعداد میں صحیحین (بخاری ومسلم) میں ہیں اور ایک معقول تعداد سنن اربعہ اور دیگر بعض کتب حدیث میں ہے؛ ائمہ سلف اور محدثین کے نزدیک ان میں موجود تمام صحیح احادیث دین ہیں اور ان سے ثابت شدہ احکام اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح قرآنی احکام ہیں؛ غامدی صاحب کے نزدیک سنت:

> ''دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔'' (میزان، ص 14)

سنت کی یہ تعریف، ائمہ سلف کی تعریف سے یک سر مختلف اور نہات مبہم ہے؛ اس تعریف کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت پیغمبر تو نہیں رہتے، صرف دین ابراہیمی کے مجدد اور مصلح قرار پاتے ہیں۔

ثانیاً، دین ابراہیمی کی روایات کیا ہیں؟ ان کا ماخذ کیا ہے؟ ہماری احادیث یا سنتیں تو الحمد للہ مذکورہ چھ کتابوں اور کچھ ان کے علاوہ وہ بھی دیگر کتب حدیث میں مدون اور محفوظ ہیں، لیکن غامدی صاحب کی مفروضہ یا موہومہ سنتیں اگر دیکھنی ہوں تو وہ کون سی کتاب ہے جس میں ان کو ملاحظہ کیا جا سکے؟

ان کی تعداد بھی ماشاء اللہ انھوں نے متعین کی ہوئی ہے؛ وہ تقریباً 27 ہیں۔ ان کے نام بھی انھوں نے 'میزان' میں لکھے ہیں یعنی ان کی مکمل فہرست درج کی ہے؛ ملاحظہ فرمائیں:

عبادات میں: نماز (2) زکات اور صدقہ فطر (3) روزہ و اعتکاف (4) حج و عمرہ (5) قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت میں: نکاح وطلاق اور ان کے متعلقات (2) حیض ونفاس میں زن وشو کے تعلق سے اجتناب۔

خورونوش میں: سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت (2) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم وآداب میں: (1) اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا (2) ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب (3) چھینک آنے پر الحمد للہ وراس کے جواب میں یرحمک اللہ (4) نومولود میں دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت (5) مونچھیں پست رکھنا (6) زیر ناف کے بال کاٹنا (7) بغل کے بال صاف کرنا (8) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا (9) لڑکوں کا ختنہ کرنا (10) ناک منہ اور دانتوں کی صفائی (11) استنجا (12) حیض ونفاس کے بعد غسل (13) غسل جنابت (14) میت کا غسل (15) تجہیز وتکفین (16) تدفین (17) عید الفطر (18) عید الاضحیٰ۔

اس فہرست پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ سوائے ایک آیت قرآنی: حُرِّمَت عَلَيكُمُ الميتَةُ ...الآیۃ کے ترجمے کے سب وہ احکام ہیں جو احادیث کی کتابوں میں درج ہیں حالاں کہ یہ کتابیں ان کے نزدیک غیر معتبر ہیں؛ علاوہ ازیں احادیث کی ان کتابوں میں یہ سارے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ ہیں؛ ان میں سے کسی ایک حکم کی بابت بھی یہ وضاحت نہیں ہے کہ یہ دین ابراہیمی کی وہ روایات ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح وتجدید یا اضافہ کر کے دین کے طور پر جاری فرمائی ہیں؛ آخر اس دعوے کی دلیل سوا یا یک شخص کی ذہنی اپج یا دماغی اختراع کے کیا ہے؟

ان میں سے بیش تر احکام تو وہ ہیں جو ہر نبی کی شریعت میں رہے ہیں جس کی صراحت خود قرآن میں موجود ہے:

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي اَوحَينَا اِلَيكَ وَمَا وَصَّينَا بِهِ اِبرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى اَن اَقِيمُوا الدِّينَ

''تمھارے لیے وہی دین اللہ نے مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور وہ جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی اور وہ جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا؛ یہ کہ تم دین کو قائم کرو۔'' (الشوریٰ 13:42)

اس آیت سے واضح ہوا کہ چند جزوی مسائل کے علاوہ تمام انبیا کا دین ایک ہی رہا ہے اور وہ الاسلام ہی ہے؛ تو کیا مذکورہ احکام دیگر انبیا کے دین میں نہیں رہے ہوں گے؛ ان سنتوں کا آغاز تو پھر حضرت نوح سے یا حضرت آدم سے کرنا چاہیے۔ قربانی اور تدفین وغیرہ کا ذکر تو حضرت آدم سے بھی ملتا ہے؛ پھر ان احکام کو دین ابراہیمی کی روایات کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟

ان سب سوالات کا جواب غامدی صاحب کے ذمے ہے۔

غامدی صاحب کی مزید وضاحت اور ہمارے مزید سوالات

مذکورہ فہرست سنن کے بعد غامدی صاحب فرماتے ہیں :

''سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے؛ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث ونزاع کے لیے گنجایش نہیں ہے۔ دین لاریب، انھی دو صورتوں میں ہے؛ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔'' (میزان، ص 14-15)

غامدی صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ سنت کی یہ تعریف اور اس کی یہ تحدید ائمہ سلف میں سے کس نے کی ہے؟ کیوں کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ ائمہ سلف میں اور آپ کے درمیان بال برابر بھی فرق نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ مذکورہ سنتیں قرآن کی طرح عملی تواتر سے ملی ہیں تو پھر ان میں باہم اختلاف کیوں ہے؟ صرف نماز کا اختلاف ہی دیکھ لیجیے! ہاتھ باندھنے کی صورت میں سینے پر باندھے جائیں یا ناف کے نیچے یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جائے؟ رفع الیدین کیا جائیا نہ کیا جائے؟ اعتدال ارکان ضروری ہے یا نہیں؟ کسی کے نزدیک ضروری ہے کسی کے نزدیک نہیں؛ خلف الامام سورہ فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ ایک کے نزدیک فرض ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک غیر ضروری۔ اسی طرح مرد وعورت کی نماز کا مسئلہ ہے؛ ایک فریق ان کے طریقہ نماز میں فرق کا قائل ہے جب کہ دوسرا فریق سوائے دو تین باتوں کے، ارکان نماز کی ادائیگی میں کسی فرق کا قائل نہیں۔

ان اختلافات کی ایک وجہ تو دلائل کی صحت وضعف میں اختلاف ہے؛ دوسری وجہ فہم وتعبیر کا اختلاف اور ایک وجہ فقہی وحزبی جمود یا قرآن کے الفاظ میں بَغیاً بَینَھُم بھی ہے۔ اگر نماز کا اثبات صرف عملی تواتر سے ہوتا تو طریقہ نماز میں یہ اختلاف قطعاً نہیں ہوتا؛ فریقین دلائل کا انبار اور کتابوں کا ڈھیر جمع نہ کرتے، پھر تو ان کی صرف ایک ہی دلیل ہوتی کہ نماز کا فلاں عمل یا فلاں طریقہ نسل در نسل، جیلاً بعد جیلٍ اسی طرح تواتر سے نقل ہوتا آ رہا ہے لیکن یہ دلیل آج تک کسی فریق نے پیش نہیں کی۔ سارا اختلاف ان دلائل کی بنیاد پر ہے جو کتابوں میں موجود ہیں؛ ان دلائل کی صحت و ضعف پر بحثیں ہوتی ہیں؛ ان کے انطباق پر گفت گو ہوتی ہے؛ وجوب واستحباب یا افضلیت وغیر افضلیت زیر بحث آتی ہیں لیکن کہیں بھی اور کسی کی بھی طرف سے عملی تواتر کا حوالہ سامنے نہیں آتا؛ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ عملی تواتر کا وجود عنقا کی طرح ہے جس کا وجود ہی ناپید ہے؛ اسی طرح عملی تواتر بھی ناپید ہے۔

اسی طرح غامدی صاحب کا اپنی مزعومہ 'سنتوں' کے بارے میں یہ کہنا کہ

''ثبوت کے اعتبار سے ان میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے؛ قرآن جس طرح صحابہ کے اجتماع اور

قولی تواتر سے ملا ہے، یہ سنتیں اسی طرح ان کے اجتماع اور عملی تواتر سے ملی ہیں۔''

اس میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ قولی تواتر اور عملی تواتر میں کیا فرق ہے؟ اور ان دو اصطلاحوں سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر قولی تواتر سے مراد تمام صحابہ کا تواتر سے یہ کہنا ہے کہ یہ قرآن وہی کتاب ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تو قول کی صداقت کے پرکھنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ محض دعویٰ کر دینے سے تو مدعا کا اثبات نہیں ہو جاتا بلکہ دعوے کے ثبوت کے لیے دلائل کا وجود ضروری ہے؛ قولی تواتر کے یہ دلائل کہاں ہیں؟ اگر یہ گروہ کہتا ہے کہ اس کے دلائل کتب حدیث میں ہیں تو کتب حدیث تو ان کے نزدیک غث وثمین کا مجموعہ ہیں، وہ تو معتبر ہی نہیں ہیں؛ کتب تواریخ تو اس سے بھی زیادہ غیر معتبر ہیں؛ شعرائے عرب کا جاہلی کلام ہے جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے لیکن اس میں تو اس امر کے دلائل ملنے سے رہے؛ پھر اس قولی تواتر کا اثبات کس طرح ہوگا؟

اسی طرح 'مزعومہ سنتوں' کا معاملہ ہے؛ کہا جا رہا ہے وہ عملی تواتر سے ثابت ہیں لیکن یہاں بھی وہی سوال ہے کہ عملی تواتر کا اثبات کس طرح ہوگا؟ اس دعوے کو کس بنیاد پر پرکھا جائے گا؟ اس کے لیے کون سی کتاب یا مرجع وماخذ ہے جس میں اس کے دلائل درج ہوں؟ ظاہر بات ہے کہ کتب حدیث کے علاوہ اس کا کوئی مرجع یا ماخذ نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو دین صرف غامدی صاحب کی مزعومہ سنتیں نہیں ہیں بلکہ کتب حدیث میں درج تمام صحیح حدیثیں اور ان سے مستنبط احکام دین ہیں اور یہ تمام سنتیں اور حدیثیں الحمد للہ متواتر ہیں کیوں کہ یہ عہد بہ عہد، نسل در نسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر باسند سلسلہ وار مدونین کتب حدیث تک تواتر سے منتقل ہوتی آئی ہیں اور ان مدونین کتب سے لے کر آج تک کے علما کے پاس وہ سلسلہ سند محفوظ ہے جس میں امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے۔ اس لیے ہمارا دین اسلام جو قرآن وحدیث پر مشتمل ہے، مکمل محفوظ بھی ہے اور متواتر بھی جسے کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے جب کہ دین غامدی، صرف غامدی صاحب کے ذہن میں ہے جس کا وہ کوئی تحریری ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ کتب حدیث کا حوالہ پیش کرنے کے وہ قطعاً مجاز نہیں ہیں، اس لیے کہ وہ ہمارے دین کا ماخذ ہیں؛ ہمارے پیغمبر کے اقوال، افعال اور تقریرات کا وہ مجموعہ ہیں؛ ان میں درج تمام صحیح احادیث دین ہیں؛ اس لیے کہ وہ قرآن ہی کا بیان اور ان کی تشریح وتوضیح ہے۔

غامدی دین احادیث مصطفیٰ نہیں ہے؛ دین ابراہیمی کی روایات ہیں جن کا کوئی ماخذ ومصدر نہیں یا قرآن کی وہ من مانی تاویل ہے جو سراسر تحریف معنوی پر مشتمل ہے۔ ان کا دین صحابہ کرام اور امت کا قرآن نہیں ہے؛ یہ قرآن ہمارا ہے جس کے اجمالی کے تفصیل اور عموم کی تخصیص ہمارے پیغمبر نے کی ہے؛ دین غامدی اس قرآن میں یہ حق پیغمبر اسلام کو نہیں دیتا؛ اس لیے اس قرآن سے اور اس کے اس پیغمبر سے اس کا تعلق نہیں ہے، گو وہ اس قرآن کو ماننے کا کتنی بھی بلند آہنگی سے اقرار کرے؛ وہ اسی طرح مردود ہے جیسے مرزائیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ماننے کا دعویٰ مردود ہے؛ اس مردویت کی دلیل ان دونوں کا رویہ اور طرز عمل ہے، نہ کہ ان کا دعویٰ کیوں کہ دعوے اور طرز عمل میں فرق ہے؛ دونوں میں مطابقت اور موافقت نہیں، اس لیے فیصلہ طرز عمل اور رویے پر ہوگا نہ کہ صرف دعوے پر۔

جن لوگوں میں منافقت ہوتی ہے یا جرأت کا فقدان ہوتا، وہ زبان سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہوتا اور جو دل میں ہوتا ہے، اس کا اظہار وہ بہ وجوہ زبان سے نہیں کرتے تاہم ان کا رویہ ان کے دلوں کی کیفیت کی غمازی کرتا ہے۔ یہ دعوائے غیب دانی نہیں ہے، نہ اس کے لیے علم نجوم میں کسی مہارت کی ضرورت ہے؛ ایسے لوگوں کے رویوں سے ان کے نہاں خانہ دل کی کثافتیں چھن چھن کر باہر آ رہی ہوتی ہیں جو ان کے مخفی عزائم کو آشکار اور اہل دانش وبینش پر ان کی اصل حقیقت کو واضح کر دیتی ہیں: ع

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من اندازِ قدت را می شناسم

حدیث کی حجیت کا واشگاف الفاظ میں انکار

اپنی مزعومہ سنتوں کے بیان کے بعد غامدی صاحب واشگاف الفاظ میں لگی لپٹی رکھے بغیر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبار آحاد جنھیں بالعموم حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کبھی درجہ یقین کو نہیں پہنچتا؛ اس لیے دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا؛ دین سے متعلق جو چیزیں ان میں آتی ہیں، وہ درحقیقت قرآن وسنت میں محصور اسی دین کی تفہیم وتبیین اور اسی پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہے۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے؛ چناں چہ دین کی حیثیت سے اس دائرے سے باہر کی کوئی چیز نہ حدیث ہو سکتی ہے اور نہ محض حدیث کی بنیاد پر اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔'' (میزان، ص 15)

اس میں موصوف نے ایک تو یہ کہا ہے کہ حدیث سے حاصل ہونے والا علم کبھی درجہ یقین کو نہیں پہنچتا؛ اس لیے دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔

اس رائے میں موصوف کو غالباً بعض فقہا کی اس رائے سے سہارا ملا ہے کہ حدیث سے ملنے والے علم سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے لیکن ائمہ سلف اور محدثین نے جن کی بابت غامدی صاحب نے کہا ہے کہ میرا موقف بالکل وہی ہے جو ائمہ سلف کا ہے، کبھی ایسا نہیں کہا اور بعض فقہا نے جو کہا ہے، اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ حدیث موجب عمل نہیں ہے؛ علم ظنی کے باوجود حدیث ان کے نزدیک واجب العمل ہے۔ (ملاحظہ ہو: اصول بزدوی 690-91/2) یہ آج تک کسی نے نہیں کہا کہ حدیث سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔

دوسری بات موصوف نے یہ فرمائی ہے کہ دین سے متعلق جو چیزیں حدیثوں میں آتی ہیں، وہ ''قرآن وسنت میں محصور اسی دین کی تفہیم وتبیین اور اسی پر عمل کے لیے اسوہ حسنہ کا بیان ہے۔''

اس میں ایک تو احادیث کی دو قسمیں بنا دی گئی ہیں: ایک وہ جو دین سے متعلق ہیں اور دوسری وہ جو دین سے متعلق نہیں ہیں؛ اس دوسری قسم میں وہ داڑھی، عورت کا ننگے سر نہ رہنا وغیرہ کو عرب معاشرے کا عرف وعادت قرار دے کر دین سے خارج قرار دیتے ہیں؛ یعنی غامدی گروپ کے نزدیک یہ چیزیں دین کا حصہ نہیں ہیں، اس لیے ان پر عمل بھی

ضروری نہیں ہے۔ رہیں دین سے متعلق حدیثیں تو دین ان کے نزدیک قرآن ہے (وہ بھی ان کی سمجھ کے مطابق نہ کہ ائمہ سلف کے مفہوم کے مطابق) اور دین ابراہیمی کی 27 روایات سنت ہیں؛ دین انھی میں محصور ہے، ان کے علاوہ کوئی چیز دین نہیں ہے؛ احادیث 'اسی دین' کی تفہیم وتبیین یا اسوۂ حسنہ ہیں اور اس سے بھی ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ تفہیم وتبیین اور اسوہ حسنہ ہمارے لیے قابل عمل چیز نہیں ہے؛ کوئی عمل کرے تو اچھا ہے، ورنہ کوئی ضروری نہیں؛ وہ قرآن کا حدیث کی تفہیم وتبیین کو چھوڑ کر کوئی اور مفہوم بھی اخذ کر سکتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر کے اسوۂ حسنہ سے مختلف دوسرا طریقہ بھی اپنا سکتا ہے جیسے انھوں نے نماز کے قعدے اور تشہد کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں صرف دوزانو ہو کر بیٹھا ضروری ہے؛ درود اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دعائیں ضروری نہیں؛ وہ ان کے بجائے جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔

علاوہ ازیں 'دین' سے مراد بھی قرآن وحدیث والا دین اسلام نہیں ہے جسے سارے مسلمان مانتے ہیں بلکہ دین غامدی ہے جو قرآن اور دین ابراہیمی کی ان 27 مزعومہ سنتوں میں محصور ہے جو غامدی صاحب کی نو دریافت ہیں جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ دین اور حدیث کے بارے میں ائمہ سلف کا یہی عقیدہ ونظریہ ہے جس کا اظہار غامدی صاحب نے کیا ہے؟

بہ ظاہر قرآن کی 'عظمت' کا اظہار اور بہ باطن احادیث کا انکار

ایک دوسرے مقام پر دیکھیے کہ غامدی صاحب نے کس زیرکی وفن کاری سے احادیث کو کنڈم کیا ہے کہ لوگ ان کی عظمت قرآن کے راگ میں کھو جائیں اور احادیث کو تبیین قرآنی سے خارج کرنے کی زہرناکی کو سمجھ ہی نہ سکیں؛ ملاحظہ ہو یہ سادگی وپرکاری!

> ''قرآن سے باہر کوئی وحیِ خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے، اس کے کسی حکم کی تحدید وتخصیص یا اس میں کوئی ترمیم وتغیر نہیں کر سکتا؛ دین میں ہر چیز کے ردّ وقبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہوگا؛ ایمان وعقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہوگی اور اسی پر ختم کر دی جائے گی۔ ہر وحی، ہر الہام، ہر القا، ہر تحقیق اور ہر رائے کو اس کے تابع قرار دیا جائے گا اور اس کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ بوحنیفہ وشافعی، بخاری ومسلم، اشعری وماتریدی اور جنید وشبلی، سب پر اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔'' (میزان، ص 25)

ملاحظہ فرمائیے! بہ ظاہر قرآن کی عظمت کا کیا وجد آفرین بیان ہے کہ پڑھ کر ایک مسلمان جھوم جھوم اٹھتا ہے لیکن اس قند میں چھپی سمّیت (زہرناکی) دیکھیے کہ اس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصب رسالت پر نقب زنی ہے جس کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بہت سے عموم میں تخصیص کی ہے جس کی مثالیں ہم مضمون کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں اور جن کو تمام صحابہ وتابعین سمیت پوری امت کے ائمہ علام، محدثین عظام اور فقہاء کرام نے

تسلیم کیا ہے اور وہ تخصیصات چودہ سو سال سے مسلم چلی آ رہی ہیں؛ موصوف نے ان سب پر نفی کا تیشا چلا دیا ہے اور ان کو بہ یک بینی و دو گوش دین سے خارج کر دیا ہے۔ دوسرے، ستم بالائے ستم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تبیین قرآنی کو 'ترمیم وتغیر' قرار دے رہے ہیں تاکہ یہ جرعہ تلخ ہر مسلمان گوارا کر لے کہ ہاں واقعی قرآن میں ترمیم وتغیر کا حق تو کسی کو نہیں ہے۔ لیکن اصل سوال تو یہ ہے کہ پیغمبر کی یہ قرآنی تبیین کیا یہ قرآن میں تغیر وترمیم ہے؟ یہ موصوف کی سراسر تلبیس کاری وفن کاری ہے؛ پیغمبر اسلام کی تبیین قرآنی یا بہ الفاظ دیگر قرآنی عموم کی تخصیص، قرآن میں تغیر وتبدل یا ترمیم وتنسیخ نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا وہ منصب ہے جو اللہ نے آپ کو دیا اور آپ نے اس کے مطابق یہ تخصیصات کیں؛ ان کو قرآن میں 'ترمیم وتغیر' کہنا عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور سراسر فریب ہے: ع دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا۔

علاوہ ازیں اس اقتباس میں وحیِ خفی کا بھی انکار ہے جس کی روشنی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اجمالات کی تفصیل اور عمومات کی تخصیص کی ہے؛ ورنہ اس کے بغیر تو قرآن ایک چیستاں، ناقابل عمل اور لاینحل معما بنا رہتا۔ نماز، زکات، حج وعمرہ وغیرہ بیسیوں احکام ہیں جن کا حکم قرآن میں ہے؛ ان کی جو تفصیل اور شکل وہیئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور جن پر چودہ سو سال سے امت عمل پیرا ہے، اس کی بنیاد وحیِ جلی (قرآن) کے علاوہ اس وحیِ خفی ہی پر ہے؛ اگر اس وحیِ خفی کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو آپ کی شرح وتفصیل کی بنیاد کیا ہے؟ اور یہ شرح وتفصیل اگر نہ ہو تو قرآنی احکامات پر کس طرح عمل کیا جائے؟

اگر کہا جائے کہ امت کا تواتر عملی قرآن پر عمل کے لیے کافی ہے، پیغمبر کی شرح وتفصیل کی ضرورت نہیں تو اس سے زیادہ غیر معقول کوئی بات نہیں؛ آخر تواتر کی بنیاد کیا ہوگی؟ اولین دور کے مسلمانوں کا عمل ہی بنیاد ہوگی اور اولین دور کے مسلمانوں نے کیا یہ اعمال خود قرآن سے سمجھ کر سرانجام دیے تھے یا کسی سمجھانے والے کے کہنے کے مطابق انجام دیے تھے؟ یہ سمجھانے والا پیغمبر ہی تھا؛ اس نے وحیِ خفی کی روشنی میں وحیِ جلی (قرآن) کی تفصیلات بیان کیں اور صدر اول کے مسلمانوں نے اس کے مطابق یہ کام کیے اور یوں نسلاً بعد نسلٍ یہ کام ہوتے چلے آ رہے ہیں؛ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کو جو قرآن کی تفصیلات پر مبنی تھے اور جن کو احادیث کہا جاتا ہے، مدوّن کر کے محفوظ بھی کر لیا گیا تاکہ مرورِ ایام اور لیل ونہار کی گردشوں سے اصل ریکارڈ دیکھ کر مصلحین امت اصلاح کا کام کرتے رہیں؛ اسی کو ایک حدیث میں تجدید دین سے تعبیر کیا گیا ہے:

إِنَّ اللهَ يَبعَثُ لِهٰذِهِ الامة عَلىٰ رَاسِ كل ماية سنة من يجدد لها دينها

''اللہ تعالیٰ ہر صدی کے شروع میں اس امت کے لیے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کے دین کی تجدید کریں گے۔'' (سنن ابوداود، رقم 238؛ الصحیحہ للالبانی، رقم 599)

یہ امت مسلمہ کا خاص شرف وامتیاز ہے کہ محدثین کی بے مثال کاوشوں سے اس کا وہ دین قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گیا ہے جو احادیث کی شکل میں اور قرآن کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے، ورنہ پچھلے انبیا کی تعلیمات یا تو دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں یا پھر تحریف اور ردوبدل کا شکار؛ لیکن آخری پیغمبر کی تعلیمات بھی محفوظ ہیں اور اس پر نازل کردہ

قرآن کریم بھی۔ یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ اس محفوظ ذخیرۂ حدیث کی بابت یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اول تو اس کی محفوظیت کا دعویٰ ہی مشکوک ہے اور اگر ان میں کچھ حصہ محفوظ بھی ہے تو وہ دفتر بے معنی ہے کیوں کہ اس سے کسی عقیدہ یا ایمانیات وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا: تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو۔

ایسے ہی 'مفکرین' کے بارے میں کسی نے کیا خوب کہا ہے: ع

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

بہ لطائف الحیل حدیث کا انکار

اس سے اگلا پیرا ملاحظہ فرمائیں؛ اس میں بھی بہ لطائف الحیل احادیث کا انکار ہے:

''اس (قرآن) کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے؛ یہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے قاصر نہیں رہتا۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ قبول کر لیتے ہیں؛ وہ نہ ان سے مختلف ہے، نہ متباین؛ اس کے شہرستان معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اس کے الفاظ ہیں؛ وہ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں؛ اس میں کسی ریب وگمان کے لیے ہرگز کوئی گنجایش نہیں ہوتی۔'' (میزان، ص25)

اس ساری دراز نفسی اور الفاظ کی مینا کاری کا مقصد بھی حدیث رسول سے قرآن کے عموم کی تخصیص کا حق سلب کرنا ہے کیوں کہ اس گروہ کے نزدیک نبی کا حکم رجم کا حکم قرآن کے الفاظ سے مختلف ہے؛ رجم کے مفہوم کو قرآن کے الفاظ قبول نہیں کرتے لہٰذا رجم کی سزا بہ طور حد قرآن کے خلاف ہے۔ اگر موصوف یہ بات سیدھے سادے الفاظ میں کہتے تو اس کی پذیرائی نہ ہوتی، اس لیے موصوف نے ایک ماہر فن کار کی طرح نہایت چابک دستی سے حد رجم کے انکار کے لیے الفاظ کے طوطا مینا اس طرح اڑائے ہیں کہ ایک عام آدمی عبارت آرائی کے حسن اور الفاظ کی جادوگری سے مسحور ہو جائے اور اس کے پس پردہ شعبدہ بازی تک اس کی رسائی ہی نہ ہو سکے، لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔

الحمدللہ ہم نے اللہ کی دی ہوئی بصیرت سے دونوں پیروں میں انکار حدیث کا جو جرثومہ چھپا ہوا تھا، دریافت کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں پیرے بہ ظاہر قرآن کی عظمت کے مظہر ہیں لیکن درحقیقت ان میں حامل قرآن کے اس منصب رسالت کا انکار ہے جو اللہ نے تبیین قرآنی کا آپ کو عطا فرمایا ہے جس کی رو سے قرآن میں بیان کردہ ۱۰۰ کوڑوں کی حد زنا کو آپ نے کنواروں کے لیے مخصوص کر دیا اور شادی شدہ زانیوں کے لیے حد رجم کا حکماً بھی اثبات فرمایا اور عملاً اس کو نافذ بھی فرمایا۔ اسی طرح دیگر کئی عمومات میں آپ نے تخصیص فرمائی اور پوری امت نے آپ کے اس منصب قرآنی کے تحت آپ کی تمام تخصیصات کو قبول کیا؛ انھیں نہ قرآن کے خلاف سمجھا اور نہ قرآن سے تجاوز؛ بھلا ایک پیغمبر کلام الٰہی میں اس طرح کا تصرف کس طرح کر سکتا ہے جو کلام الٰہی کے منشا کے خلاف یا الفاظ قرآنی کی دلالت کے منافی ہو؟

(جاری)